قیام حسینی کا مقصد

قال ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام: ’’إِنِّی لَمۡ أَخۡرُجۡ أَشِرًا وَلا بَطِرًا وَلا مُفۡسِدًا وَلا ظالِمًا وَإِنَّما خَرَجۡتُ لِطَلَبِ الإِصۡلاحِ فی أُمَّةِ جَدّی، أُرِیدُ أَنۡ آمُرَ بِالۡمَعۡرُوفِ وَأَنۡهی عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَأَسِیرَ بِسِیرَةِ جَدّی وَأَبی عَلِیِّ بۡنِ أَبیطالِب‘‘ [بحار الانوار، ج ۴۴، ص 329]

تمہیدی گفتگو

عاشورا اور قیام امام حسین علیہ السلام سے متعلق سن ۶۱ ھ سے آج تک اس واقعے کے چشم دید گواہوں، ائمہ اطہار علیہم السلام، خطباء و شعراء اور علما و بزرگان دین کی زبان و قلم سے بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے لیکن ابھی تک اس وادی کے اسرار و رموز کو بیان نہیں ہو سکے ہیں اور بہت کچھ کہنا باقی ہے اور ہر دن نکلنے والا سورج کربلا پر نئے انداز سے روشنی ڈالنے کی دعوت دیتا نظر آتا ہے۔

بقول مولانا روم کے

صد قیامت بگذرد وین ناتمام   گر بگویم شرح این معنی تمام

"اگر اس بات کی مکمل تشریح کروں تو سو قیامتیں گزر جانے کے بعد بھی اس کی شرح نامکمل رہ جائے گی۔"

اس سے قبل ہم نے امام عالی ابو عبد اللہ الحسینؑ کے اسی فقرے کی روشنی میں قیام حسینی کے بارے میں کچھ گفتگو کی تھی اور اس قیام کے مختلف اسباب اور بنیادی سبب کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ آج بھی اسی فقرے کے ضمن میں قیام عاشورا کے ایک دوسرے رُخ کو پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ہمارا سوال یہ تھا کہ امام عالی مقامؑ نے یزید کے خلاف کیوں قیام کیا؟ اس سوال کے دو رُخ پیش کئے گئے تھے۔ ایک رُخ یہ تھا کہ امام کے قیام کا سبب کیا تھا؟ آپ یزید کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے؟ وہ بنیادی وجہ کیا تھی جس کی بنا پر امامؑ نے قیام فرمایا؟ ایسی کیا چیز تھی جس نے امام حسینؑ کو قیام پر مجبور کیا کہ اگر اور کچھ بھی نہ ہوتا بس وہی ایک وجہ ہوتی تو امام ضرور قیام کرتے؟ یہ ایک رُخ تھا اس سوال کا کہ امام نے کیوں قیام کیا جس کی تفصیل ہم نے بیان کی تھی۔

دوسرا رُخ اس سوال کا یہ تھا کہ امامؑ کے قیام کا مقصد کیا تھا؟ امام اس قیام کے ذریعہ کیا حاصل کرنا چاہتے تھے؟ کیا چیز امامؑ کے مد نظر تھی جس کے لئے امام نے مدینہ چھوڑا، حج کے موسم میں احرام کھول کر حج ترک کر کے مکے سے باہر نکل آئے، کربلا بپا کی اور یہ سارہ ماجرہ پیش آیا؟ اور اگر امام قیام نہ کرتے تو وہ مقصد حاصل نہ ہوتا۔

کیاآپ کا مقصد حکومت تھا؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ یزید جیسے فاسق و فاجر انسان کو حکومت سے بر طرف کر کے خود حکومت کریں۔ اور آپ کے قیام کا اصلی مقصد حکومت تھا۔ اسی لئے جب کوفے والوں نے آپ کو خطوط لکھے اور آپ نے اتنے زیادہ افراد کی حمایت دیکھی تو فوراً جناب مسلم کو بھیج کر ان سے اپنے لئے بیعت لی۔ ان افراد کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے سوچا قیام کرتے ہیں اگر کامیاب ہوگئے تو حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور اگر کامیاب نہ ہوئے تو واپس آجائیں گے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جو حکومت کی غرض سے قیام کرتا ہے وہ وہیں تک آگے بڑھتا ہے جہاں تک ممکن ہو لیکن جہاں اس نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنا ناممکن ہے تو پلٹ آتا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ اگر کسی کا مقصد حکومت قائم کرنا ہے تو اسے وہیں تک جانا چاہئے جہاں تک جانے کا امکان ہے لیکن جہاں سے آگے بڑھنا ممکن نہ ہو عقلمندی یہی ہے کہ پلٹ آئے۔ جو شخص یہ کہتا ہے امام حکومت کے قیام کے لئے اٹھے تھے اور اس کی مراد یہ ہو کہ امام نکلے ہی حکومت کے لئے تھے تو صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ امام حسین علیہ السلام کے قیام سے کہیں بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر ایسا ہوتا تو امامؑ اس کے لئے باقاعدہ تیاری کرتے، لشکر تیار کرتے، جنگی ساز و سامان کے ساتھ جاتے۔ زیادہ سے زیادہ افراد کو اکٹھا کرتے اور انہیں ساتھ لے جاتے۔ بچوں اور خواتین کو اس طرح اپنے ساتھ نہ لے جاتے۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ امام کا اصل مقصد حکومت تھا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تمام ائمہ کا اور امام حسینؑ کا ایک مقصد اور ایک ذمہ داری اسلامی اور الٰہی حکومت کا قیام رہا ہے اور اسکے لئے آپ نے میدان ہموار کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اور شاید امام کے اس قیام بھی کو اس اسی سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا جاسکتا ہے۔

تو پھر کیا قیام کا مقصد شہادت تھا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام کا مقصد یہ حکومت نہیں تھا کیونکہ امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ حکومت کا قیام عمل میں نہیں لاسکتے وہ تو اس لئے گئے تھے تاکہ خدا کی راہ میں قربانی دیں اور شہید ہو جائیں۔

ایک مدت تک لوگ اسی نظریہ کے قائل تھے۔ بعض لوگ شاعرانہ تعبیروں کے ساتھ اسے بیان کرتے تھے، بلکہ بعض بزرگ علما بھی اس کے قائل ہوگئے تھے۔ وہ سب کہتے تھے کہ امام عالی مقام نے دیکھا کہ اب زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہیں لہٰذا شہادت کے ذریعہ ہی کچھ کیا جائے۔

اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ اسلام اس بات کا قائل نہیں کہ جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو اور قتل کر دیئے جاؤ۔ شریعت اور دین نے جس شہادت کی بات کی ہے اس شہادت کا مطلب یہ ہے انسان ایک عظیم مقصد کی خاطر قیام کرے اور اس راہ میں اپنی جان بھی دیدے۔ یہ ہے وہ شہادت جسے اسلامی اور دینی شہادت کہا جاسکتا ہے۔ شہادت یہ نہیں ہے کہ میں دوڑ کر میدان میں جاؤں تاکہ شہید کر دیا جاؤں یا شاعرانہ

تعبیر میں کہا جائے کہ میرا خون ظلم وستم کے ایوان ہلادے اور دشمن کو منہ کی کھانی پڑے۔لہٰذا شہادت خود مقصد نہیں تھا بلکہ ایک ذریعہ تھا اس عظیم مقصد تک پہنچنے کا۔ مقصد وہ تھا جس کے لئے شہادت دی۔

ایک واجب کو انجام دینا

لہٰذا مجموعی طور پر نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام عالی مقام نے حکومت کے لئے قیام کیا اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے ان کے قیام کا مقصد شہادت تھا۔

بلکہ جو لوگ "حکومت" یا "شہادت" کے قائل ہیں انہوں نے ہدف اور نتیجہ کو ملا دیا ہے۔امام کے قیام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ انہیں حکومت ملے یا وہ شہید ہو جائیں،امام کے قیام کا مقصد کچھ اور تھا البتہ اس ہدف تک پہنچنے کے لئے انہیں ایک ایسا راستہ طے کرنا تھا جس کا نتیجہ دو ہی چیزیں تھیں؛ حکومت یا شہادت۔امام حسین علیہ السلام ان دونوں چیزوں کے لئے آمادہ تھے۔انہوں نے فکری طور پر حکومت کے مقدمات کو بھی فراہم کر لیا تھا اور شہادت کی آمادگی بھی کر چکے تھے۔اب جو بھی ہاتھ آتا وہی صحیح تھا،اس میں کوئی عیب نہیں تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی مقصد نہیں تھا بلکہ نتیجہ تھا۔ہدف اور نتیجے میں فرق ہوتا ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اگر امام حسین علیہ السلام کے صحیح ہدف کو بیان کرنا ہے تو اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ امام عالی مقام کے قیام کا ہدف ایک ایسے واجب کی انجام دہی تھا جو امام حسین علیہ السلام سے پہلے کسی نے انجام نہیں دیا تھا یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،امام علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام نے بھی۔البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ،امام علیؑ یا امام حسنؑ عمل کر سکتے تھے اور انہوں نے عمل نہیں کیا بلکہ ان کے زمانے میں حالات ایسے نہیں تھے کہ اس واجب پر عمل کیا جاتا۔یا یوں کہا جائے کہ وہ چیز ان تینوں معصومین کے زمانے میں ان پر واجب نہیں تھی۔ورنہ ان میں کسی کے زمانے میں بھی وہ حالات پیدا ہوتے جو امام حسینؑ کے زمانے میں تھے تو وہی کرتے جو امام عالی مقامؑ نے کیا،کیونکہ ان ہستیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔یہ ایک نور سے ہیں،ان کا راستہ ایک ہے،مقصد ایک ہے،مزاج ایک ہے۔

وہ واجب کیا تھا؟

اسلام کے عملی احکام کا صرف ایک حکم جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا تھا لیکن اس پر عمل نہیں کیا تھا اور یہ اسلامی نظام کے ارکان کا ایک اہم رکن ہے۔اور وہ حکم اور رکن یہ تھا کہ جب بھی یہ اسلامی نظام اور اسلامی معاشرہ کی گاڑی پٹری سے نیچے آجائے اور اس کا نظام بالکل الٹ جائے تو اس وقت امت مسلمہ کی ذمہ داری کیا ہے؟اگر بانی اسلام تمام اسلامی احکام و قوانین بیان کرتے لیکن صرف یہ ایک حکم بیان نہ کرتے تو ان کا کام ناقص رہ جاتا لیکن انہوں نے یہ بھی بیان کر دیا تھا۔وہ مسلمانوں سے کہہ کر گئے تھے اگر کسی وقت بھی اسلامی معاشرہ اسلام کے دائرے سے باہر نکل جائے اور صاحبان قدرت وثروت، مسلم نما منافقین یا کوئی بھی طاقت اسلامی سماج کا رخ بدلنا چاہے تو اس کے مقابلے میں امت مسلمہ کو

کیا کرنا ہوگا؟ یہ وہ حکم تھا جسے خود امام حسینؑ نے پیغمبر سے سنا تھا اور آپ نے اپنے قیام کے دوران بعض مقامات پر اسے بیان بھی کیا جن میں سے ایک مقام وہ تھا جب آپ مقام ''بیضہ'' پر پہنچے اور حر کے لشکر نے آپ کا راستہ روکا۔ آپ نے حر کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اَیُّھَا النّاسُ، اِنَّ رَسُولَ اللهِ (صلی الله علیہ وآلہ) قالَ: «مَنْ رَای سُلْطاناً جایِراً مُسْتَحِلاًّ لِحُرُمِ اللهِ، ناکِثاً لِعَھْدِ اللهِ، مُخالِفاً لِسُنَّۃِ رَسُولِ اللهِ، یَعْمَلُ فِی عِبادِ اللهِ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ عَلَیْہِ بِفِعْلٍ، وَلاَ قَوْلٍ، کانَ حَقّاً عَلَی اللهِ اَنْ یُدْخِلَہُ مَدْخَلَہُ'' اے لوگو! اللہ کے رسول نے فرمایا: تم میں سے جس کا بھی ایک ایسے ستمگر حاکم سے سامنا ہو جو حلال خدا کو حرام کر رہا ہو، عہد خداوندی کو توڑ رہا ہو، سنت رسول کی اعلانیہ مخالفت کر رہا ہو، بندگان خدا کے درمیان گناہ و فساد پھیلا رہا ہو اور کوئی بھی اس کے سامنے اپنی زبان نہ کھولے، اعتراض نہ کرے، کوئی عملی مظاہرہ نہ کرے تو خدا کو یہ حق ہے کہ وہ اسے بھی اسی ٹھکانے پر لگائے جو اس ظالم و ستمگر کا ٹھکانہ ہوگا۔

پیغمبر اکرم (ص) یہ کہہ کر گئے تھے لیکن خود عمل نہیں کر سکے کیونکہ پیغمبر اکرم (ص) جب تک باحیات تھے تب تک امت مسلمہ اور اسلامی معاشرے میں ایسا کوئی انحراف پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسلام کا یہ رکن پیغمبر اکرم (ص) نے اس لئے بیان کیا تھا کیونکہ ان کے بعد ان کے جانشینوں کے زمانے میں ایسا ہونا عین ممکن تھا چاہے وہ کسی بھی جانشین کے زمانے میں ہوتا۔ جس امام کے زمانے میں بھی یہ صورتحال پیدا ہوتی اسے وہی کرنا ہوتا جو پیغمبر نے بتایا تھا۔ اگر امیر المومنین علی علیہ السلام کے زمانے میں ہوتا تو وہ ویسا ہی کرتے جیسا پیغمبر نے بتایا تھا یا اگر امام علی نقی علیہ السلام یا امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانے میں ہوتا تب بھی ان کی یہی ذمہ داری تھی۔ اب چونکہ یہ صورتحال امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں پیش آئی لہٰذا ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس پر عمل کرتے۔ تاکہ اسلامی نظام اور اسلامی سماج کو دوبارہ اسی حالت پر لے آتے جہاں پر وہ پہلے تھا۔ یہ امام عالی مقام کی ذمہ داری تھی اور واقعہ عاشورا کی واقعیت اور حقیقت بھی یہی ہے۔

مقصد قیام کی تفصیل

اپنے قیام کے اس مقصد کو امامؑ نے اس فقرے میں تفصیل اور جزئیات کے ساتھ پیش کیا ہے جسے ہم نے سرنامۂ سخن قرار دیا۔ امامؑ اسی واجب کو بیان کرتے ہوئے اپنا مقصد واضح کر رہے ہیں اور بتا رہے کہ میں کسی دنیاوی مقصد سے نہیں نکلا ہوں بلکہ میرا مقصد کچھ اور ہے۔ اب امام جزئیات کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

ا۔ وَاِنَّما خَرَجتُ لِطَلَبِ الِاصلاحِ فی اُمَّۃِ جَدّی: میرے جد کی امت ایک ایسے فساد میں مبتلا ہو چکی ہے کہ اس کی اصلاح کے لئے میں نے قیام کیا ہے۔ وہ فساد جو یزیدی اور اموی حکومت نے معاشرے میں پھیلایا ہے میں اسے قلع قمع کرنے کے لئے نکلا ہوں۔ حاکم شام کے زمانے سے جو فساد شروع ہوا تھا وہ یزید کا زمانہ آتے آتے اتنا عام ہو گیا تھا کہ مکے اور مدینے جیسے مقدس شہر بھی اس کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ اور اگر امام قیام نہ فرماتے تو آج اسلام کا نام بھی نہ ہوتا۔

۲۔اُرِیْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْہیٰ عَنِ الْمُنْکَرِ: امت جد کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ میں امر بالمعروف کروں اور نہی عن المنکر کروں جسے یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔حد یہ ہے کہ یزید جیسا فاسق و فاجر شخص امت مسلمہ کا حاکم بنتا ہے اور وہ خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔بلکہ یزید جیسے شخص کے امت پر مسلط ہونے کی وجہ بھی اسی اہم فریضہ الٰہی کو ترک کرنا ہے۔یزید کے زمانے میں مدینے جیسے شہر میں منکرات کا اتنا رواج ہو چکا تھا کہ لوگ ناچنے اور گانے والیوں کے استقبال کے لئے جاتے تھے اور انہیں افسوس تک نہیں ہوتا تھا اور احساس شرمندگی تک نہیں ہوتا تھا۔

۳۔وَاَسِیرَ بِسِیرَۃِ جَدّی وَاَبِی عَلیّ بْنِ اَبِیطالِب: امت کے فاسد ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ سیرت پیغمبر کو بھلا دیا گیا بلکہ علی الاعلان یہ کہا جانے لگا کہ نہ کوئی پیغمبر تھا نہ کوئی وحی آئی۔اس لئے ضروری ہے کہ اب میں لوگوں کو پیغمبرؐ کی سیرت یاد دلاؤں، انہیں امیر المومنینؑ کی سیرت یاد دلاؤں۔پیغمبر اکرمؐ نے جو سیرت پیش کی تھی، جو الٰہی اور قرآنی اقدار اپنی سیرت کے ذریعہ پیش تھیں جو اصل دین تھا، بنی امیہ نے انہیں بالکل بدل کر رکھ دیا تھا اور ان کی جگہ ایسی بدعتیں رائج کر دی تھیں جن کا دور دور تک پیغمبر اکرمؐ اور اسلام کی سیرت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

الف۔دور جاہلیت کا زندہ کرنا: بنی امیہ نے دور جاہلیت کو پھر سے زندہ کر دیا تھا اور وہ چیزیں جنہیں زمانہ جاہلیت میں قدر اور ویلیو کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا انہیں پھر سے معاشرے میں زندہ کر دیا تھا۔پیغمبر نے ایمان، تقوا اور عمل صالح جیسی چیزوں کو برتری کا معیار بتایا تھا لیکن بنی امیہ نے مال و ثروت، طاقت، قومیت اور اس طرح کی چیزوں کو برتری کا معیار بنا لیا تھا۔

ب۔قومی امتیازات: زمانہ جاہلیت میں عرب کو عجم پر فوقیت تھی، عرب میں بھی ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے برتر سمجھا جاتا تھا، جس قبیلے کے افراد زیادہ ہوتے تھے وہ برتر سمجھا جاتا تھا اور اگر تعداد کے لحاظ سے برابر ہوتے تھے تو قبرستان میں جا کر اپنے مردوں پر گنا کرتے تھے اور ان کے ذریعہ سے فخر جتایا کرتے تھے۔اسلام نے ان تمام چیزوں پر خط بطلان کھینچا اور تقوے کو برتری کا معیار بتایا۔لیکن بنی امیہ نے پھر سے انہی امتیازات کو زندہ کیا۔

ج۔مقام و منصب: زمانہ جاہلیت میں مقام و منصب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی اور مقام برائے مقام، منصب برائے منصب ہوا کرتے تھا۔جبکہ اسلام مقام برائے خدمت کا قائل تھا۔اسلام کہتا تھا کہ یہ منصب تمہارے لئے دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک امانت ہے ایک ذمہ داری ہے جس کا تم سے سوال بھی ہوگا۔بنی امیہ نے سب کچھ بھلا کر اقتدار اور منصب کو اصل قرار دیا۔امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جب امیر شام کوفہ آیا تو اس نے لوگوں سے صاف کہا: ''میں تمہیں نماز اور روزے کی ترغیب دلانے نہیں آیا ہوں بلکہ میرا مقصد صرف حکومت ہے۔''

امام حسین علیہ السلام لوگوں کو اس جاہلیت کے دور سے، اس ضلالت و گمراہی سے نکال کر پھر سے ہدایت کے اجالوں کی طرف لانا چاہتے تھے۔آپ کے چہلم کی زیارت میں ایک جملہ ہے جو اس زیارت کے دوسرے بہت سے جملوں کی طرح پر معنی اور غور طلب ہے اور وہ جملہ یہ ہے ''بَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيكَ'' یعنی اے پروردگار! حسین ابن علی نے اپنی جان اور اپنا خون تیری راہ میں قربان کیا ''لِيَسْتَنْقِذَ عِبادَكَ مِنَ الْجَهالَةِ'' تا کہ تیرے

بندوں کو جہالت کی دلدل سے باہر نکالیں "وَحیرَۃِ الضَّلالَۃِ" اور گمراہی میں سرگرداں ہونے سے بچائیں۔ اگرچہ امام حسین علیہ السلام کا ظاہری مقابلہ یزید سے تھا لیکن درحقیقت ان کا مقابلہ اس کم عمر یزید سے نہیں تھا بلکہ ان کا مقابلہ جہالت، ذلت، گمراہی اور انسان کی زبوں حالی سے تھا۔

سماجیات وسیاسی تجزیہ:

انسان ایک اجتماعی مخلوق ہے اور مل جل کر رہنا اسے پسند ہے اس کی خصوصیت ہے کہ یہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے اور اس کا اجتماعی شعور اس بات پر دعوت دیتا ہے کہ اگر معاشرہ یا سماج مشکل میں ہو تو انسان کو اپنی انفرادی زندگی کے بارے میں نہ سوچ کر سماجی حیات کے بارے میں سوچنا چاہیے اور ضرورت پڑنے پر معاشرہ پر فرد کو قربان ہو جانا عین عقل کا تقاضہ ہے۔ اسلام میں بھی اجتماع کی خاص اہمیت ہے

تمام انبیاء علیہم السلام امت کی اصلاح کے اور اس کے ارتقائی سفر کی رہنمائی کے لئیے مبعوث ہوئے اور ہر ایک کی تبلیغ میں یہ بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے خود کو انجام کار سماج اور معاشرے کی اصلاح کی خاطر قربان کر دیا

شک نہیں کہ انسان جتنا بڑا ہو دنیا میں اس کی قیمت اتنی بڑی ہوتی ہے۔ جب سماج اور معاشرے کی عزت وآبرو خاک میں مل رہی ہو تو اسی بڑے آدمی کو سماج کے لیے فدا ہونا چاہیے یہ انسان کی عقل کا فیصلہ ہے امام حسین ع نے بھی انبیاء ماسبق کی قربانیوں کے پیش نظر بشریت کے فلاح و کامیابی کے لئیے قربانی دی کہ رہتی دنیا تک ظلم و ستم سے بشریت کو نجات مل سکے کہ انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد۔ "لیقوم الناس بالقسط" کے طور پر لوگوں کے درمیان عدالت وانصاف کو نافذ کرنا تھا

آپ کے بیان کئیے گئے خطبات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپکی نظر میں عدالت وانصاف کی کس قدر اہمیت تھی چنانچہ مختلف مقامات پر آپ نے لوگوں کو سماج میں رائج ظلم سے آگاہ کرتے ہوئے خبردار کیا: کیا دیکھ نہیں رہے ہو کہ امر بالمعروف پر عمل نہیں ہو رہا ہے منکرات سے نہیں روکا جارہا ہے مقصد یہی تھا کہ نیکیوں کو رائج کریں اور منکرات سے روکیں کہ سب سے بڑا ظلم یہی ہے کہ نیکیاں منکرات کی جگہ آجائیں اور منکرات نیکیوں کی صورت میں جانے جانیں لگیں اس کے لئیے ضروری تھا کہ سماج اور معاشرہ میں ایک عادلانہ و منصفانہ مزاج قائم ہو تا کہ معاشرہ کی اونچ نیچ انسان سمجھ سکے اور انصاف وعدالت کے محور پر آگے بڑھ سکے۔

چنانچہ امام (ع) نے اپنا سب کچھ اپنی جان، بچے، گھربار، سب کچھ اسی راہ میں لٹا دیا کہ سماج میں عدالت قائم ہو سکے اب چاہے اس کے سب کچھ قربان ہی کیوں نہ پڑنا پڑے یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ سماج میں انصاف وعدل رائج کرنے کے لئیے امام حسین ع نے لوگوں کے اپنے ساتھ آنے کا انتظار نہیں کیا بلکہ جتنے لوگ ساتھ آئے ان کی کمترین تعداد کو لیکر آپ اٹھ کھڑے ہوئے کہ نظام ظلم کے زیر سایہ ایک پل حسین کو گوارا نہیں تھا جبکہ آج ہر ایک پر واضح ہے کہ امام حسین (ع) کے پاس نہ لشکر تھا نہ وسائل لیکن اس کے باجود آپ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے

اور آپ نے اپنے تمام اصحاب کو اپنے جوانوں کو اپنے تمام مال و منال کو جو کچھ بھی تھا اسے راہ خدا میں دے دیا اور اسلام کی حفاظت کے لیے ظلم کی مخالفت کے لیے قیام کیا اور اس بات کو واضح کر دیا حکومت چاہے کتنی ہی بڑی وسیع کیوں نہ ہو حق پرست چاہے کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں لیکن ظلم اگر ہے تو حسینیت اس کا مقابلہ ضرور کرے گی اور انصاف کی لڑائی کوئی لڑے نہ لڑے حسینیت ضرور عدل وانصاف کا پرچم لیئے میدان میں نظر آئے گی

امام حسین (ع) کے قیام کی دو ہی صورتیں تھیں اور دونوں کا اپنا اپنا الگ نتیجہ تھا؛ ایک نتیجہ یہ تھا کہ امام حسین (ع) یزیدی حکومت پر غالب و کامیاب ہو جاتے اور لوگوں پر ظلم وستم کرنے والوں سے زمام اقتدار چھین کر امت کی صحیح سمت میں راہنمائی فرماتے، اگر ایسا ہو جاتا تو تاریخ کی شکل ہی بدل جاتی- دوسری صورت یہ تھی جو ہمارے سامنے موجود ہے کہ حکومت سے ٹکرانے کے سبب آپ کو شہادت نصیب ہوئی اور آج یہی شہادت دنیا میں عدل وانصاف کی قدروں کی محافظ بنی ہوئی ہے

چنانچہ آج امام حسین (ع) ہر داعی انصاف اور ظلم سے مقابلہ کرنے والے کے لئے جانے پہچانے ہیں اور انصاف و عدل کی اٹھنے والی ہر آواز میں کربلا کی گونج سنائی دے رہی ہے -آج حالات یہ ہیں کہ دنیا کے مفکرین، اسکالرز و روشن خیال شخصیات اور بے غرض افراد جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور واقعہ کربلا کو دیکھتے ہیں تو دل کی گہرائیوں سے حسین ع کو سلام کرتے نظر آتے ہیں-

یقیناوہ شہید عدالت وانصاف کی پاسداری کر سکتا ہے جس کی شہادت و مظلومیت کے بارے میں اس کی معاصر اور آنے والی نسلیں سنیں اور جانیں اور اس کے پیغام عدل کی روشنی میں سماج و معاشرہ کے اندر منصفانہ مزاج قائم کرنے کے منصوبوں کو عملی کریں. وہ شہید باعث درس اور نمونہء عمل ہوتا ہے کہ جس کا خون جوش مارے اور تاریخ کے ساتھ ساتھ بہتا چلا جائے اور تاریخ کو اپنی قوم کے سامنے متحرک و زندہ رکھتے ہوئے اس کے حقائق کو مجسم کر دے۔

اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ شہید انسانیت امام حسین ع سے ہم کیا سبق لیتے ہیں اور کیسے اسے اپنی زندگی میں جاری وساری کرتے ہیں

امام حسین علیہ السلام کے مقصد قیام پر ہم نے جو گفتگو کی اور سماج میں عدالت وانصاف کے قیام کے سلسلہ سے جو باتیں کی ہیں ان کی روشنی میں آیئے اپنا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہوئے ہیں؟ کیا ہر ایک اپنی ڈفری واپنا راگ کا مقولہ تو صدق نہیں ہو رہا یا پھر ہم اپنے مفادات کو بھلا کر اجتماع و معاشرہ کے لئیے فکر مند ہیں؟

ہم جہاں ہیں جیسے ہیں سکون سے ہیں یہ فکر تو ہمارے ذہن میں نہیں؟ کسی مذہبی ادارہ یا مذہبی پراپرٹی کے ساتھ جو ہو رہا ہے ہم سے کیا لینا دینا ہماری سوچ ایسی تو نہیں؟ یا پھر دین سے متعلق ہر چیز کے بارے میں ہم اتنے ہی حساس ہیں جتنا اپنے گھر کو لیکر اپنے زندگی کے وسائل کو لیکر؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ دوسروں کے یہاں ہمیں انصاف کی دہائی بڑی اچھی لگتی ہے لیکن خود کا مزاج ظالمانہ ہے دوسروں کو ہم ظالم کہہ کر اپنا پلہ جھاڑ لیتے ہیں اور خود اپنے ماتحتوں کے لئے فرعون زمان بنے ہوئے انا ربکم الاعلی کی پکار لگاتے نہیں تھکتے ؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ زبان سے حسینؑ حسینؑ ہے لیکن ہم اسی خیمہ میں میں ہیں جہاں یزید تھا اس کا اندازہ لگانا ہو تو یوں لگائیں کہ جب کبھی حق بات کہی جاتی ہے اور وہ حق بات ہمارے مزاج کے خلاف ہو یا اس کے بلند ہونے کی بنیاد پر ہمارا کوئی مفاد خطرہ میں ہو تو ہمارا رد عمل کیا ہوتا ہے ؟ کیا ہم یہ نہیں چاہتے کہ یہ حق بات بلند نہ ہو کیا حق سے ہمیں بعض جگہوں پر چڑ تو نہیں ہوتی ؟

اگر ایسا کچھ ہے کہ ہم حق سننے اور حق پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم انصاف کی ڈگر پر بھی ہر گز خود کو چلنے کی لئیے تیار نہیں کر سکے کہ انصاف محور حق پر آگے بڑھنے اور افراط و تفریط کا شکار نہ ہونے کا نام ہے بارگاہ رب العزت میں دعاء ہے ہمیں وہی منصافہ مزاج دے جسے حسینؑ لیکر چلے تو کربلا پہنچے اور انہوں نے عدالت کی بنیادوں پر ۲۷ لوگوں پر مشتمل ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو رہتی دنیا تک عدل و انصاف کی راہوں کو واضح کرتا رہے گا۔